تصوف اور اخلاق

ترجمہ

ـ از مولانا خالد کمال صاحب مبارکپوری ـ

محققین نے تصوف اور صوفی کے مصدر و اشتقاق پر کافی بحث کی ہے، بعض علماء کا خیال ہے کہ لفظ تصوف یونانی لفظ "سوفیا" کا معرب ہے جس کے معنی حکمت کے آتے ہیں بعض کہتے ہیں صوفی اون کے موٹے گاڑھے کپڑے صوف کی جانب نسبت ہے کیونکہ صوفیاء کرام ایسے کپڑوں کا استعمال کیا کرتے ہیں، ایسے ہی ایک جماعت کا خیال ہے کہ صوفی قبیلہ صوفہ کی جانب نسبت ہے جو قبل اسلام خانہ کعبہ کی خدمت کے فرائض انجام دیا کرتا تھا اور صوفیوں کی طرح کعبہ کے ارد گرد حلقہ باندھے رہتا تھا ایک خیال یہ بھی ہے کہ "صوفان" کی جانب منسوب ہے جو ایک معمولی پودہ ہوتا ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ صوفیاء کرام اس کے پتوں جیسی غذا پر گذارا کرتے تھے۔ ایک رجحان یہ بھی ہے یہ "صفہ" کی جانب نسبت ہے جو مسجد نبوی میں ایک مخصوص مقام ہے جہاں اصحاب صفہ بیٹھ کر عبادت و ریاضت اور ذکر و اذکار کیا کرتے تھے، ایک ایسی بھی جماعت موجود ہے جو تصوف کو صدق و صفا سے مشتق مانتی ہے ـــ اور "صفا و مصافاۃ" کو تصوف کی اصل قرار دیتی ہے چنانچہ ابو الفتح بستی کا قول ہے : •

تنازع الناس فی الصوفی واختلفوا فیہ وظنوہ مشتقًا من الصوف لفظ صوفی، کے بارے میں لوگوں میں سخت اختلاف پایا جاتا ہے اور بعض حضرات کا خیال ہے کہ یہ لفظ صوف سے مشتق ہے۔

ولست انحل ھذا الاسم فتی میں اس (صوفی) نام صافی فصوفی حتی سمی الصوفی کو اس فتی (تصوف کا اسلامی لقب ہے) کے علاوہ دوسرے پر استعمال نہیں کر سکتا جس نے صفائی پیدا کی اور وہ صوفی کہا جانے لگا۔

ہمارا خیال یہ ہے کہ تصوف کاملہ کی حقیقت وہی ہے جو احسان کے مرتبہ پر پہنچنے کے بعد حاصل ہوتی ہے جیسے حدیث جبرئیل میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے :

الاحسان ان تعبد اللہ احسان یہ ہے کہ تم اللہ تعالی کی کانک تراہ فان لم تکن عبادت اس تصور کے ساتھ تراہ فانہ یراک ـــ کرو کہ تم اسے دیکھ رہے ہو یا اگر تم نہیں دیکھ رہے ہو تو وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔

اس حقیقت کے پیش نظر جب ہم تصوف کے بہت سے دعویداروں کو اس کسوٹی پر جانچتے ہیں تو ان کو پورا اترتا نہیں پاتے، ایسے لوگ ہماری آج کی اس بحث سے خارج ہیں۔

درحقیقت تصوف کی بنیاد تربیت ذوق پر ہے، اور اخلاق حسنہ دراصل ذوق سلیم ہی کا دوسرا نام ہے جس کے ذریعہ انسان حیوانیت پر غلبہ حاصل کرکے انسانیت کی قدر و منزلت کو دوبالا کرتا ہے، یہی وجہ ہے کہ صوفیائے کرام نے اخلاق کی درستگی پر بہت زور دیا ہے بلکہ اخلاق کو تصوف کا ستون کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا کیونکہ اخلاق تصوف کے رگ و پے میں اس قدر سرایت کئے ہوئے ہے اور دونوں میں اس قدر آہنگی ہے کہ اگر تصوف کا لفظ ہٹا کر اس کی جگہ اخلاق کا لفظ رکھ دیا جائے تو سوائے لفظی تغیر کے تصوف کی حقیقت میں کوئی فرق نہیں پڑے گا اس لئے کہ تصوف کا مبنی مجاہدہ و ریاضت، پاکیزگیٔ نفس کی آزمائش کرنا ہے جمال و کمال کے ذریعہ اور بعینہ یہی تمام چیزیں مکارم اخلاق کے کسب کا ذریعہ ہیں۔

صوفیائے کرام نے اخلاق کے سنوارنے میں کافی جدّ و جہد کی ہے، چنانچہ اس سلسلہ کی ایک کڑی ایثار اور جود و سخا ہے جسے انہوں نے بنیادی حیثیت قرار دی ہے اور تصوف وجود و سخا کو ملا کر انہوں نے تزکیہ نفس کا ایک تیسرا نسخہ دریافت کرلیا، یہی وجہ ہے کہ جب سخاوت و ایثار کی بحث آتی ہے تو اس میں "فتوة الصوفیة ۔ جو تصوف کا ایک مرتبہ بھی ہے" کا بھی ایک عنوان ہوتا ہے، چنانچہ صوفیائے کرام میں ایثار اور اپنے مقابلہ میں دوسروں کو ترجیح دینے کا جذبہ بدرجہ اتم موجود ہوتا ہے جس کا پیش نظر قشیری کو کہنا پڑا:

اصل الفتوة ان یکون العبد ابداً فی امر غیرہ — فتوہ کی اصل یہ ہے کہ ایک بندہ دوسرے کو اپنے اوپر ترجیح دے۔

اسی طرح شہرت و مرتبہ کے محل کو مسمار کرنا بھی فتوہ کا ایک جزء لاینفک قرار دیا گیا جس کے متعلق ابن ابی بکر اہوازی کا قول ہے کہ:

اصل الفتوة ان لا تری لنفسك فضلا ابدا — فتوہ کی اصل یہ ہے کہ اپنے کو کبھی افضل نہ سمجھے

نیز راستہ سے تکلیف دہ چیزوں کا ہٹانا، بخشش کرنا، شکوہ و شکایت سے دور بھاگنا، ابتلاء و آزمائش کے وقت صبر کرنا اور دشمن کو درگذر کرنا بھی تصوف کے مبادیات میں داخل ہے۔

صوفیائے کرام نے اخلاق حسنہ کا ایک ایسا نمونہ دنیا کے سامنے پیش کیا جس کی مثال عوام پیش کرنے سے عاجز ہیں، گویا انہوں نے اس مثل اعلیٰ کو ایک بدر درخشاں بنا دیا ہے جس کو نظریں اچکنے کی کوشش تو کرتی ہیں لیکن اچک نہیں سکتیں۔ اس کی ایک دلیل آپ کو صوفیائے کرام کے اس سوال کے کہ "کون صوفی فتوہ کے لقب کا مستحق ہے؟" جواب میں مل سکتی ہے جو انہوں نے ان الفاظ میں دیئے ہیں۔

"اس معزز لقب کا مستحق وہی صوفی ہوسکتا ہے جس میں آدم علیہ السلام جیسا معافی مانگنے اور عذر کرنے کا مادہ ہو۔ نوح علیہ السلام جیسی صلابت ہو ابراہیم علیہ السلام جیسی وفاداری ہو۔ اسماعیل علیہ السلام جیسی سچائی ہو، موسیٰ علیہ السلام جیسا اخلاص ہو، ایوب علیہ السلام جیسا صبر ہو، داؤد علیہ السلام جیسی آہ و زاری ہو۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم جیسی سخاوت ہو، ابوبکر جیسی نرمی ہو ——— عمر رضی اللہ عنہ جیسی حمیت ہو، عثمان رضی اللہ عنہ جیسی حیاء ہو اور علی رضی اللہ عنہ جیسا علم ہو اور وہ ان تمام صفات کے باوجود اپنے نفس کو

اپنے آپکو بڑا نہ سمجھے، اس کے دل میں یہ وہم و گمان بھی
نہ پیدا ہو کہ بزرگ ہے، نہ وہ یہ سمجھے کہ اس کی
موجودہ ہیئت اللہ تعالیٰ کو پسند ہے، اپنے اندر
کے عیوب اور نقص پر برابر نظر رکھے اور اپنے
دوسرے تمام بھائیوں کو ہر حالت میں افضل و
بہتر سمجھے"۔

صوفیاء کرام کے ان آداب سلوک کی بنیاد اس
حدیث پر ہے جسے صوفیاء کرام اکثر اپنی نصیحتوں ــــ اور
دستاویز دی میں ظاہر کرتے رہتے ہیں، وہ حدیث یہ ہے:

اوصانی ربی بتسع اوصیکم　　میرے رب نے مجھ کو نو چیزوں کی
بها اوصانی بالاخلاص　　وصیت فرمائی ہے۔ میں انہی نو
فی السر والعلانیة والعدل[2]　　چیزوں کی تم کو بھی وصیت
فی الرضا والغضب والقصد[3]　　کرتا ہوں [1] ظاہر و باطن میں
فی الغنی والفقر وان اصل[4]　　اخلاص [2] رضا و غضب میں عدل
من قطعنی واعطی من[5]　　[3] مالداری اور محتاجی میں
حرمنی واعفو من ظلمنی[6]　　اعتدال [4] صلہ رحمی کا بندھن
وان یکون نطقی ذکرا[7]　　توڑنے والے سے صلہ رحمی کرنا
وصمتی فکرا[8] ونظری عبرا[9]　　[5] محروم کرنے والے کو دینا
[6] ظالم سے درگذر کرنا [7] کلام کو ذکر بنانا [8] خاموشی کو فکر
بنانا [9] اور نظر کو سراپا عبرت بنانا۔

صوفیاء کرام کے مکارم اخلاق اور حسن آداب کی
ایک دلیل یہ بھی ہے کہ وہ عورت کی کرامت اور اس کی
شرافت کو بڑی اہمیت دیتے تھے جو آج عورت کے
حقوق کا مطالبہ کرنے والوں میں عملی طور پر موجود نہیں
ہے، چنانچہ ایک مرتبہ ایک صوفیؒ صاحب اپنے ایک دوست
کی زیارت کے لئے عجم کے کسی ملک میں پہنچے دوست
نے فوراً کھانا تیار کیا اور دسترخوان چن دیا جب صوفی صاحب
کھانا کھا چکے تو ان کا ہاتھ دھلانے کے لئے ایک لونڈی
آپہونچی، صوفی صاحب نے اس کو روکتے ہوئے فرمایا:

لیس من اخلاق الفتوة　　اہل فتوہ کے اخلاق سے یہ بہت
ان تصب النساء الماء　　بعید ہے کہ کوئی عورت مردوں کا
علی ایدی الرجال ــ　　ہاتھ دھلائے۔

صوفیاء کرام کا اخلاقی نظام دکھاوے اور ظاہر پرستی کے
خلاف سخت محاذ قائم کرتا ہے اور ظاہر داری کو تصوف کے
مقاصد کے خلاف تصور کرتا ہے چنانچہ جنید بغدادیؒ کا
قول ہے کہ:

اذا رایت الصوفی یعنی　　جب تم کو صوفی جیسی وضع قطع
بظاهره فاعلم ان باطنه　　میں کوئی نظر آئے تو سمجھو کہ اس
خراب ــ　　کا باطن ویران ہو چکا ہے

ایسے ظاہر پرستوں اور موٹے گاڑھے کپڑے کا استعمال
کرکے زبردستی صوفی بننے والوں پر بعض نے طنز کیا ہے
اور ان کی خباثت نفس پر جملے کسے ہیں چنانچہ ایک شاعر
کہتا ہے:

ایا کاسیا من جید الصوف نفسه
ویا عاریا من کل فضل ومن کیس

"اے اپنے نفس کو بہترین صوفی نما کپڑا پہنانے والے
اور اسے عقل و خرد کے کورے"!

اتزهی بصوف وهو بالامس مصبح
علی نعجة والیوم امسی علی تیس

"تو اس اون کے کپڑوں پر اترا رہا ہے جو کل تک بھیڑ کی پشت
پر تھے اور آج تجھ جیسے بکرے کے اوپر ہے ہیں"۔

یہ جماعت اخلاق محمدیؐ کو اپنا مرجع قرار دیتی ہے جسے
آپ ان الفاظ میں ادا کر سکتے ہیں:

طوبی لمن شغله عیبه　　کتنے خوش بخت ہیں وہ لوگ

عن عیوب الناس جن کے اپنے عیوب نے دوسروں کی عیب جوئی سے روک رکھا ہے۔

اسی کے پیش نظر ابن عطار سکندری نے کہا ہے:

تشوفك الی ما بطن فیك من العیوب خیر من
تشوفك الی ما حجب عنك من العیوب ـــــ

"تیرے اندر جو عیوب پوشیدہ ہیں ان پر مطلع ہونا تیرے لئے دوسروں کے پوشیدہ عیوب پر مطلع ہونے سے بہتر ہے"۔

اس قول کے پیش نظر ہم ایک سماجی اور اصلاحی نکتہ کو بخوبی سمجھ سکتے ہیں کہ عوام کے عیوب اور ان کی برائیوں کو اچھالنے والے بجائے سماج کی اصلاح کے خود ان عیوب کے شکار ہو جاتے ہیں اور یہ خرابی ان کے اندر پیدا ہو جاتی ہے یہی وجہ ہے کہ اسلام نے اپنے حکیمانہ انداز میں لوگوں کے عیوب اور ان کی برائیوں کو اچھالنے اور ان کے پیچھے پڑنے سے سختی سے منع کیا ہے اور اس فعل شنیع کو عذاب الیم کا سبب قرار دیا ہے کیونکہ عوام کی برائیوں اور ان کے عیوب کو اچھالنے کے لئے اس سے واقفیت پیدا کرنی ضروری ہے اور ظاہر ہے اس کے مطلع ہونے اور دیکھنے کے بعد (الانسان حریص علی ما منع) کے مطابق اس کی جانب رغبت ہوتی ہے اور پھر تجربہ کی سوجھنے لگتی ہے اور یہ تجربہ بار بار اس کے اعادہ پر مجبور کرتا ہے اور کسی گناہ کا بار بار کرنا شرم و حیا کی موت ہے اور جب شرم و حیاء کا خاتمہ ہو جائے تو وہ کس جرم میں مبتلا نہیں ہو سکتا؟ اور کونسی حرکت نہیں کر سکتا؟ •

صوفیاء کرام نے اپنے اخلاق کی درستی اور مثالی بنانے کے لئے مختلف وسائل و اسباب کو اپنایا جسمیں لالچ کو ختم کرنا اولین سبب قرار دیا کیونکہ لالچ کی بیخ کنی ہی روحانی شخصیتوں کو آگے بڑھا سکتی ہے اسی لئے صوفیاء کے ایک قابل فخر فرزند ابوبکر وراق نے کہا ہے:

لو قیل للطمع من ابوك؟ لاجاب الشك فی المقدور
فلو قیل له فما هی حرفتك لاجاب اكتساب الذل
فلو قیل له فما هی غایتك لاجاب الحرمان ـ

"اگر لالچ سے پوچھا جائے کہ تمہارا سب سے بڑا محرک کون ہے؟ تو وہ جواب دے گی کہ تقدیر و قضاء میں شک کرنا اور اگر پوچھا جائے کہ تیرا سب سے بڑا کمال اور فن کیا ہے؟ تو کہیگی کہ ذلت و خواری کا اکتساب، اسی طرح اگر اس کی غرض و غایت کے متعلق سوال کیا جائے تو وہ صاف کہدے گی کہ محرومی اور مایوسی اس کی منزل ہے۔

اسی معنی کو ابن عطاء اللہ سکندری نے ان الفاظ میں ادا کیا ہے:

ما بسقت اغصان ذل الا علی بذر الطمع ۔
ذلت کی شاخیں اس وقت تک نہیں پھلتی پھولتیں جبتک کہ لالچ کا بیج نہ بویا جائے۔

ایک مرتبہ حضرت علیؓ بصرہ پہنچے تو وہاں کی جامع مسجد میں داخل ہوئے دیکھا کہ صوفیاء کی ایک جماعت مسجد میں بیٹھی وعظ و نصیحت کر رہی ہے، یہ دیکھکر آپ نے ان تمام کو وہاں سے ہٹا دیا، اسی اثناء میں ان کے مرشد اعلی حسن بصری آپہونچے، ان سے حضرت علیؓ نے مخاطب ہوکر فرمایا میں تم سے ایک بات پوچھتا ہوں اگر تم نے مناسب جواب دیا تو خیر ورنہ تم کو بھی انھی لوگوں کی طرح ہٹا دوں گا، یہ سنکر حسن بصریؒ نے کہا آپ جو چاہتے ہیں بلا تکلف پوچھئے حضرت علیؓ نے سوال کیا دین ستون کیا ہے؟ حسن بصریؒ نے جواب دیا پرہیزگاری حضرت علیؓ نے دوسرا سوال کیا دین کو

تباہ و برباد کرنے والی چیز کیا ہے؟ جواب دیا۔ لالچ۔ یہ
سنکر حضرت علیؓ نے فرمایا بیٹھو، تمہارے جیسے لوگ
وعظ و نصیحت کرسکتے ہیں :

اسی طرح ایک دن اس جماعت کے ایک ہونہار
فرزند بن عطار سکندری نے ایک دن لالچ کا ارادہ کیا
اس خیال کے پیدا ہوتے ہی انہوں نے ایک آواز سنی جو
ان الفاظ پر مشتمل تھی :

السلامۃ فی الدین ترک الطمع فی المخلوقین
وصاحب الطمع لا یشبع ابدا، الا تری ان حروفہ
کلھا مجوفۃ الطاء والمیم والعین

"دین کی سلامتی مخلوق کی جانب سے لالچ ختم کرنے کے
بعد ہی حاصل ہوسکتی ہے اور لالچی کبھی بھی آسودہ اور
شکم سیر نہیں ہوسکتا، ذرا غور کرکے دیکھو تو پتہ چلے گا کہ
طمع کے تینوں حروف خالی اور بے نقط ہیں (جو لالچی کی
نامرادی اور ناکامی پر دلالت کرتے ہیں) طاء، میم، عین"۔

ان تمام چیزوں کو سامنے رکھنے کے بعد یہ حقیقت
بالکل واضح ہوجاتی ہے کہ صوفیاء کرام لالچ اور حرص و طمع
سے حد درجہ کراہت اور ناپسندیدگی کا اظہار کیا کرتے
تھے، گویا ان کا مقصد یہ تھا کہ :

ان الذی لا یطمع لا یذل ابدا والذی لا یمد
یدہ یستطیع ان یمد رجلہ حیث یرید متی اراد

"جو لالچ نہیں کرتا وہ کبھی ذلیل و خوار نہیں ہوتا جو کسی کے
آگے ہاتھ نہیں پھیلاتا (اس پر کوئی پابندی نہیں ہے) وہ
جہاں اور جب چاہے جاسکتا ہے۔

لالچ سے متعلق ایک پرانا مقولہ ہے :

اذل الحرص اعناق الرجال وکم من اناس بذوا
وسبقوا الا انہم عفوا واستغنوا وقنعوا فلما
طمعوا ورغبوا ذلوا وھانوا وضعفوا۔

"سب سے بری لالچ رؤسار کی جانب مائل ہونا ہے چنانچہ
دنیا میں بہت سے خدا کے بندے پراگندہ حال رہے
اور سبقت کر گئے کیونکہ تکلیف برداشت کی، بے نیازی
سے رہے اور قناعت کی لیکن جب لالچ کیا اور دنیا کی
جانب راغب ہوئے تو ذلیل و خوار ہوگئے۔

صوفیاء کرام نے اپنے مریدین کو قناعت، صبر اور استغناء
کی تعلیم دی جس کے سبب ان کے اندر عزت و الفت کا
مادہ پیدا ہوگیا، یہی وجہ ہے کہ یہ جماعت اپنے مریدوں
کو فتنہ فساد، بغاوت و سرکشی سے شدت کے ساتھ روکتے
ہیں اور اس قسم کی تحریکوں میں حصہ لینے سے باز رکھتے ہیں
اور جاہ و مرتبہ کی بڑائی پر فخر کرنے کی مخالفت کرتے
ہیں، چنانچہ ایک صوفی اشعار میں اپنے تاثرات کو یوں ظاہر
کرتا ہے :

دام علی من وحد اللہ ربہ　　جو اللہ تعالی کی وحدانیت
واعزدہ ان یجتدی لحلافلہ　　اور اس کے ایک ہونے
کا یقین رکھتا ہے اس پر ایک جماعت کیخلاف و سرکشی اور کرنا حرام ہے
ویا صاحبی قف بی مع الحق وقفۃ　　اے دوست! حق کے
اموت بھا وجدا واحیا بھا وجدا　　دامن کو تھامے ہوئے
میری ساتھ ذرا دیر ٹھہر اور مجھے اس مختصر سے وقفہ میں موت و حیات کی آگ
وقل لملوک الارض تجھد جھدھا　　زمین پر حکومت کرنیوالے
فذا الملک ملک لا یباع ولا یھدی　　حکمرانوں سے کہہ دے جو
حکومت کے پیچھے رات دن ایک کئے ہوئے ہیں کہ یہ حکومت
نہ بیچی جاسکتی ہے اور نہ ہدیہ دیجا سکتی ہے۔

اس معنی کو ایک صوفی ان الفاظ میں تعبیر کرتا ہے :

بینی و بین الملوک یوم واحد، اما امس فلا یجدون
لذتہ ولا اجد شدتہ واما الغد فانی وایاھم

منہ علی خطر فما ھو الا الیوم فما عسی ان یکون۔
"مجھے سلاطین روئے زمین کے درمیان رہ کر صرف ایک دن گذارنا ہے کیونکہ گذشتہ کل کی لذت سلاطین کو نہیں مل سکتی، نہ اس کی شدت مجھے دوبارہ پریشان کرسکتی ہے اور رہا آنے والے کل کا معاملہ تو میں اور سلاطین دونوں ایک دوراہے ہیں باقی رہا صرف آج کا موجودہ دن کاش وہ نہ ہوتا۔

انھیں معانی کو صوفی اپنے اندر ڈھالتا ہے، اور اپنے نفس کو قناعت وصبر پر راضی کرتا ہے مشہور صوفی ابوبکر وراق کے پاس ایک آدمی آیا اور کہنے لگا کہ میں فلاں سے خوف کھارہا ہوں، اس کے جواب میں وراق نے اللہ تعالےٰ کی عظمت بڑائی اور اس کی شان قہر وغلبہ کو بیان کرتے ہوئے کہا:

لا تخف منہ فان قلب من تخافہ بید من ترجوہ۔
تم اس سے نہ ڈرو کیونکہ جس سے ڈرتے ہو اس کا دل ایک ایک ایسی ذات کے قبضہ میں ہے جس سے تم امید رکھتے ہو۔
(اللہ تعالیٰ)

نیز اخلاقی پہلو کو روشن بنانے کے لئے صوفیائے کرام نے قربانی وجانبازی، ایثار وجہاد اور کسی کی پیش کش کو قبول کرنے کو بڑی اہمیت دی ہے۔

عبد اللہ بن مبارک کے مرتبہ سے کون واقف نہیں ہے، صوفی صادق فضیل بن عیاض سے آپ کے تعلقات بہت گہرے تھے، جب اسلامی حکومت کی حفاظت کے لئے سرحدی فوج میں بھرتی کا اعلان ہوا تو عبد اللہ بن مبارک سرحدی فوج میں داخل ہو گئے اور فضیل بن عیاض کے نام ایک خط لکھا جس میں یہ اشعار درج تھے۔

یاعابد الرحمٰن لو ابصرتنا ٭ لعلمت انک بالعبادۃ تلعب

اے رب کعبہ کی عبادت کرنے والے، اگر تو ہمارے حال سے واقف ہو جائے تو تجھے معلوم ہو جائے گا تو عبادت نہیں بلکہ عبادت کے ساتھ کھیل رہا ہے۔

من کان یخضب خدہ بدموعہ ٭ فنحورنا بدمائنا تتخضب
اگر کسی کے رخسار آنسوؤں سے تر ہیں تو ہمارے سینے ہمارے خون سے شاداب ہیں۔

او کان یتعب خیلہ فی باطل ٭ فخیولنا یوم الصبیحۃ تتعب
اگر اس کے خیالی گھوڑے خیالی دنیا میں تگ ودو کرتے کرتے تھک جاتے ہیں تو ہمارے حقیقی گھوڑے مقابلہ کی صبح مقابلہ کرتے کرتے تھک جاتے ہیں،

ریح العبیر لکم ونحن عبیرنا ٭ تم کو مخلوط خوشبو کی مہک مبارک
رھج السنابک والغبار الاطیب ٭ ہو، ہماری خوشبو تو گھوڑوں کی ٹاپ سے اڑتے ہوئے میدانوں کے گرد وغبار میں۔

صوفیائے کرام نے اخلاقی بلندی کے لئے صبر وضبط اور قناعت کی ضرورت کو کماحقہ محسوس کیا بلکہ یہ کہنا چاہیے کہ صبر وضبط کی حد سے بھی آگے بڑھنے کی تلقین کی ہے، چنانچہ ایک مرتبہ ذوالنون مصری اپنے ایک صوفی بھائی کی عیادت کو تشریف لے گئے جو مرض کی شدت کی وجہ سے کراہ رہا تھا، ذوالنون مصری نے اسے مرض کی شدت پر صبر دلاتے ہوئے کہا:
لیس بصادق فی حبہ من لم یصبر علی ضربہ ۔
وہ اپنے محبت کے دعوے میں صادق نہیں ہو سکتا جو محبوب کی ضرب پر صبر نہ کرسکے۔

مریض نے ذوالنون مصری کا اشارہ سمجھ لیا اور برجستہ جواب دیا
بل لیس بصادق فی حبہ من لم یتلذذ بضربہ ۔
لیکن میرا خیال ہے کہ محبت کے دعوے میں وہ شخص سچا نہیں ہے جو محبوب کی ضرب سے لذت نہ حاصل کرے۔

اخلاق کی انتہائی بلندی پر پہنچنے کے لئے صوفیائے نے

مراقبہ کو خاص اہمیت دی ہے اور اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ سے قرب اور نزدیکی حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں، ایک صوفی نے سرگوشی کے لہجے میں اس حقیقت کو اس شعر میں یوں ادا کیا ہے۔

تحققتك فی السر فناجاك لسانی میں نے مراقبہ میں تجھ کو
فاجتمعنا لمعان وافترقنا لمعانی (اللہ تعالیٰ) پالیا تو میری زبان نے سرگوشی کی بعض اعتبار سے ہم جمع ہو گئے اور بعض اعتبار سے جدا رہے۔

ان یکن غیبك التعظیم عن لحظ عیانی اگرچہ تیری
فلقد صیرك الوجد من الاحشاء دانی قابل تعظیم ذات میری نظروں سے اوجھل ہے لیکن قلب کی روشنی نے تجھکو مجھ سے قریب بنا دیا ہے۔

تربیت اخلاق کے سلسلہ میں اس جماعت نے آپس میں آسانی، سہولت اور دوستی میں وفاداری کو خاص مقام دیا ہے یہاں تک کہ ایک دوسرے کی کسی بات کو گراں نہیں سمجھتا اور دوسرے کی بات ٹالنا تو درکنار اس پر چون وچرا بھی نہیں کر سکتا ہے اور ہر ایک دوسرے کی ہر دعوت پر لبیک کہتا ہے اسی وجہ سے صوفیوں کا مشہور مقولہ ہے کہ جب کوئی دوست کہے کہ چلو اور تم اس کی وضاحت کرتے ہوئے اگر پوچھ لو کہ کہاں؟ تو تم دوست نہیں۔ اس سلسلہ میں ایک صوفی نے ان اشعار میں اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے:

احب من الاخوان کل مواتی میں ہر فرمانبردار بھائی کو پسند کرتا
وکل غضیض الطرف عن هفواتی ہوں۔ اسی طرح لغزشوں سے درگذر کرنے والے کو بھی محبوب رکھتا ہوں۔

یوافقنی فی کل امر احبه جو میری پسند سے اتفاق کرے
ویحفظنی حیا وبعد مماتی اور مجھے زندگی میں حفاظت کرے اور مرنے کے بعد بھی میرے لئے دعا کرے۔

فمن لی بهذا الیتنی قد وجدته پس کون ان شرطوں کے ساتھ
فقاسمنی مالی من الحسنات میرا ساتھ دے گا؟ کاش میں کسی ایسے مخلص کو پاجاتا تو اسے اپنی نیکیوں میں بھی حصہ بٹانے کا حق دار قرار دیتا۔

اسی کے ساتھ اطاعت پر غرور وتکبر کرنا اور مغفرت سے ناامید نہ ہونا بھی صوفیا کرام کے اخلاق ومکارم کے اندر داخل ہے چنانچہ ابوبکر دراق کا قول ہے:

خضوع العاشقین افضل من صولة المطیعین —
عاشقوں کا خضوع فرمانبرداروں کے صولت سے افضل ہے۔

دراق نے یہاں خضوع سے ندامت، افسوس، توبہ، رجوع الی اللہ اور صولت سے تکبر، غرور اور ریاکاری مراد لیا ہے اسی کی تشریح کرتے ہوئے بن عطاء اسکندری نے لکھا ہے:

رب معصية اورثت ذلا وانكسارا خير من طاعة اورثت عزة واستكبارا — جس گناہ سے عاجزی وانکساری حاصل ہو وہ بھی اس طاعت سے بہتر ہے جو غرور وتکبر کا باعث بنے۔

نیز اخلاقی روح کو نکھارنے کے لئے یہ جماعت ثبات و ضبط اور دوامی استخفاف کی جانب توجہ نہ کرنے کی تعلیم دیتی ہے اس کے ثبوت میں جنید سے متعلق ایک روایت کو یوں پیش کیا جاسکتا ہے کہ جنید بغدادی وجد آفریں سماع کے وقت بھی نہ حرکت کرتے تھے نہ مست ہوتے تھے، یہ دیکھکر بعض حضرات نے پوچھا کہ وجد آفریں سماع کے وقت ہم آپ کو متحرک اور مست کیوں نہیں پاتے؟ انہوں نے جواب میں قرآن کی یہ آیت تلاوت فرمائی: وَتَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً اور تو جن پہاڑوں کو دیکھ رہا ہے وَهِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ (نمل ۸۸) ان کو خیال کر رہا ہے جنبش نہ کریں گے حالانکہ وہ بادلوں کی طرح اڑے اڑے پھریں گے۔

صوفیاء کرام کے اخلاقی ڈھانچے میں بعض عیوب نظر آتے ہیں مثلاً وہ بہرحال فقر وفاقہ (بقیہ صفحہ ۱۱ پر)

بقیہ: تصوف اور اخلاق صفحہ ۱۵

اور عزلت و گوشہ نشینی کو پسند کرتے ہیں جن کو قبول کرنا ہمارے بس کی بات نہیں ہے۔ خصوصاً ان کے وہ اطوار و عادات جن میں غیر اسلامی رسمیں خلط ملط ہو گئیں لیکن بہرحال ہم کو یہ نہیں بھولنا چاہئے کہ ہم حکمت و آداب کے طالب ہیں اور ہم کسی بھی چیز کو صرف اس لئے نہیں چھوڑ سکتے کہ وہ ایک غیر ضروری چیز کے ساتھ ملحق ہے بلکہ ہم اس کو اپنائیں گے اور غیر ضروری مخلوطات سے الگ رہیں گے اور ایک حکمت کے طالب کا طریقہ کار بھی یہی ہونا چاہئے (عربی سے)